اسلام میں قیدیوں کے حقوق

مفتی تنظیم عالم قاسمی
استاذِ حدیث دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد

اسلام سراپا رحمت اور شفقت ہے، اس مذہب میں عدل واحسان کی بار ہا تاکید کی گئی ہے اور یہی اس مذہب کی روح ہے، ظلم وزیادتی، ناحق مار پیٹ، ستانا اور کسی کو خواہ مخواہ پریشان کرنا، اس مذہب میں جائز نہیں، اسلام کی نظر میں مرد وعورت امیر وغریب، محتاج اور غنی سب برابر ہیں، کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں؛ اس لیے کسی امیر کو غریب کے ساتھ ناروا سلوک کرنے کی اجازت نہیں دی گئی اور نہ ہی کسی صاحبِ طاقت کو بے کس اور کمزوروں پر اپنی طاقت استعمال کرنے کا حق دیا گیا ہے؛ یہاں تک کہ بے زبان جانوروں پر شفقت اور رحمت کا حکم دیا گیا ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مختلف ارشادات کے ذریعہ جانوروں پر ظلم وزیادتی سے منع فرمایا ہے، حضرت جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے ایک گدھا گذرا جس کے چہرے کو داغ دیا گیا تھا، اس کے دونوں نتھنوں سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا: اللہ اس شخص پر لعنت کرے جس نے یہ حرکت کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی کہ نہ تو چہرے کو داغا جائے، نہ چہرے پر مارا جائے۔ (زادراہ صفحہ ۷۲)

جانور کو مثلہ کرنے، اس پر نشانہ بازی کرنے اور طاقت سے زیادہ بوجھ لادنے سے منع کیا گیا، اس کی بھی ممانعت ہے کہ ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کیا جائے؛ تاکہ اسے اپنے ذبح کیے جانے کا احساس اور اس کی تکلیف نہ ہو، اگر جانور ذبح کیا جائے تو پہلے چھری تیز کرنے کی ہدایت دی گئی کہ ذبح کرتے ہوئے جانور کو زیادہ تکلیف نہ ہونے پائے، غور کرنے کی بات ہے کہ شریعت نے ایک جانور کے ساتھ کس قدر محبت وشفقت کا حکم دیا ہے، یہ اس لیے کہ کوئی انسان یہ خیال نہ کرے کہ یہ بے زبان کمزور اور ناتواں مخلوق ہے، اس پر جس طرح بھی ہوسکے زیادتی درست ہوگی،

بلکہ دیکھا جائے تو کتا ایک نجس جانور ہے؛ لیکن ایک جاندار مخلوق کی حیثیت سے وہ بھی سزاوارِ رحم وکرم ہے اور اگر کوئی اس کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے تو وہ بھی موجبِ اجر ہے، مشہور حدیث ہے کہ پہلے زمانے میں ایک بدکار عورت نے پیاس سے ہانپتے ہوئے ایک کتے کو بڑی مشقت سے پانی پلایا تھا، اللہ نے اس کی قدردانی کی اور اسے بخش دیا، لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا جانوروں کے پانی پلانے میں بھی ہمیں اجر ملے گا، آپ ﷺ نے فرمایا ہر تر جگر رکھنے والے جان دار کے پانی پلانے میں ثواب ہے۔ (مؤطا امام محمد، کتاب اللقط)

اسلام میں جب ایک جانور کے ساتھ اس طرح حسنِ سلوک کی تاکید ہے تو انسان کے ساتھ رحم وکرم کی کس قدر تاکید ہوگی، انسانیت کا احترام جانور کی بہ نسبت زیادہ ہے، یہی وجہ ہے کہ جانی دشمنوں کے ساتھ بھی کوئی ایسا معاملہ نہیں کیا جائے گا جو انسانیت کے خلاف ہو، جیسے ان کا مثلہ کرنا، آگ میں جلانا، پیاس سے تڑپانا، غیر انسانی سزا دینا وغیرہ۔ ایک مرتبہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک یہودی جنازہ گذرا، آپ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے جب جنازہ پر نظر پڑی تو آپ ﷺ کھڑے ہوگئے، صحابۂ کرامؓ نے سوال کیا یا رسول اللہ! یہ تو ایک یہودی اور غیر مسلم کا جنازہ تھا، اس کے احترام میں کھڑے ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا أَلَیْسَتْ نَفْسًا (مشکوۃ صفحہ ۱۴۷) ''کیا وہ انسان نہیں ہے'' یہاں اگر چہ وہ مسلمان نہیں تھا؛ لیکن آپ ﷺ نے انسانیت کا احترام کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفروشرک کے باوجود آدمیت کے اوصاف اور ان کا احترام باقی رہے گا، یہی وجہ ہے کہ شریعتِ اسلامی نے غلاموں کے ساتھ نیک برتاؤ کی تاکید کی ہے، خواہ وہ کافر ہوں یا مسلمان، حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جن کو اللہ تعالی نے تمہارا دست نگر اور ماتحت بنایا ہے، وہ تمہارے بھائی ہیں یعنی لونڈی، غلام اور خدمت گار، اس کو وہ اپنے کھانے میں سے کھلائے، اپنے کپڑے میں سے پہنائے، اس کو ایسے کام کی تکلیف نہ دے جس سے وہ تھک جائے، اگر اسے ایسے کام کی تکلیف دے جس سے وہ تھک جائے تو پھر خود اس کی امداد کرے یعنی ہاتھ بٹائے۔ (صحیح بخاری کتاب الوصایا) ایک شخص نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں غلام کا قصور کتنی مرتبہ معاف کروں، آپ ﷺ خاموش رہے، کچھ جواب نہ دیا، اس نے دوبارہ یہی پوچھا، آپ ﷺ پھر خاموش رہے تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر روز ستر بار (ترمذی: ۱۶/۲) حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو الفاظ آخری وقت تک زبانِ مبارک پر جاری تھے اور جس کے بعد

آپ ﷺ خالقِ حقیقی سے جا ملے، وہ یہ الفاظ تھے الصلوٰۃَ، الصلوٰۃَ، اِتَّقُوْاللّٰہَ فِیْمَا مَلَکَتْ أَیْمَانُکُمْ ''نماز کا خیال رکھو، اپنے زیردست غلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرو!'' غلام جو من وجہٍ قیدی ہے اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے اور ظلم وزیادتی نہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے، اس کو ادب اور تعلیم وتربیت دینا، ضرورت سے زیادہ اور بے وقت کام نہ لینا، کھانے پینے اور عبادات کے لیے فرصت فراہم کرنا؛ بلکہ اپنے بھائی جیسا سلوک کرنا اسلام کی تعلیم ہے، اسلام سے قبل اور بعد کے ایام میں بھی غیروں کی نظر میں غلاموں کی کوئی حیثیت نہیں تھی، ان کا تصور بالکل نادار، مفلس اور معاشرے سے خارج فرد کی طرح تھا، جس کو انسانی حقوق بھی حاصل نہ ہوں، یہی وجہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جانوروں کی طرح ان کے ساتھ سلوک کیا جاتا تھا اور آج بھی خادموں اور ناداروں کے ساتھ بھی یہی سلوک برتا جاتا ہے؛ مگر اسلام نے غلاموں کو انسانیت کے اعتبار سے مساوی حقوق فراہم کیا اور ان کے بارے میں آقاؤں کو ایسی ہدایات دیں کہ دنیا کے کسی مذہبی قانون میں اس کی نظیر نہیں ملتی، مشہور مستشرق موسیو گستاولیبان، اپنی کتاب ''تمدن عرب'' میں لکھتا ہے:

''غلام کا لفظ جب کسی ایسے یورپین شخص کے سامنے بولا جاتا ہے جو تیس سال کے دوران لکھی ہوئی امریکی روایتوں کو پڑھنے کا عادی ہے تو ان کے دل میں ان مسکینوں کا تصور آجاتا ہے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، ان کے گلوں میں طوق پڑے ہیں اور انھیں کوڑے مار مار کر ہنکایا جا رہا ہے، ان کی غذا ان کی سدِ رمق کے لیے بھی کافی نہیں ہے اور انھیں رہنے کے لیے تاریک کوٹھریوں کے سوا کچھ میسر نہیں، مجھے یہاں اس سے بحث نہیں کہ یہ تصویر کس حد تک درست ہے اور انگریزوں نے چند سالوں سے امریکہ میں جو کچھ کیا ہے، یہ باتیں اس پر صادق آتی ہیں یا نہیں؟ لیکن یہ بالکل یقینی بات ہے کہ اہلِ سلام کے یہاں غلام کا تصور نصاریٰ کے یہاں غلام کے تصور سے بالکلیہ مختلف ہے'' (معارف القرآن: ۲۵/۸)

غلاموں اور قیدیوں کا معاملہ تقریباً یکساں ہے، لہٰذا غلاموں کے ساتھ جس طرح حسنِ سلوک کیے جانے کی ہدایات وارد ہیں، انسان ہونے کے اعتبار سے قیدیوں کے ساتھ بھی حتی الامکان حسنِ سلوک روا رکھا جائے گا، قیدیوں سے کوئی ایسا برتاؤ نہ کیا جائے جو غیر انسانی ہے؛ کیوں کہ جرائم تو بہرحال انسان سے ہی ہوتے ہیں، جانوروں سے نہیں ہوتے؛ اس لیے انسانیت کا احترام بہرحال لازم ہے، جس طرح غلام سے غلامیت کے باوجود آدمیت کے خواص باطل نہیں ہوتے، اسی طرح قیدیوں سے انسانیت باطل نہیں ہوگی وَمَا کَانَ مِنْ خَوَاصِّ الآدَمِیَّۃِ فِی الرَّقِیْقِ لَا یَبْطُلُ بَلْ

يَبْقَىٰ عَلَىٰ أَصْلِ الْحُرِّيَةِ۔ (فتح القدیر:۳/۴۴۳) ایک انسان کو انسان ہونے کی حیثیت سے جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے، اسے بہرحال فراہم کی جائیں گی، جیسے پیٹ بھر کھانا، پیاس بجھانے کے لیے پانی فراہم کرنا، تن ڈھانکنے کے لیے کپڑا مہیا کرنا وغیرہ۔ لہٰذا قیدیوں کو بھوکا، پیاسا رکھنا، یا بے لباس کرنا جائز نہیں، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے قیدیوں کے بارے میں اپنے صحابہؓ کرام کو ہدایت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

''انھیں خوش اسلوبی سے اور حسن سلوک سے قید کرو، انہیں آرام کا موقع دو، کھلاؤ، پلاؤ اور تلوار اور اس دن کی گرمی دونوں کو یکجا مت کرو'' (الموسوعة الفقهية: ۱۹۸/۴) جن دنوں میں بنو قریظہ کے قیدیوں کو قید کیا گیا تھا، وہ گرمی کے ایام تھے، تپش زیادہ تھی؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ طور خاص دن کی گرمی اور دھوپ میں قیلولہ کے لیے مواقع فراہم کرنے کی تاکید فرمائی؛ کیوں کہ گرمی کے ایام میں قیدیوں کی گرمی کا خیال نہ رکھنا، انھیں دھوپ میں چھوڑ دینا؛ بلکہ آرام کا موقع نہ دینا بھی غیر انسانی حرکت ہے اور قیدیوں کے ساتھ غیر انسانی حرکت جائز نہیں۔ معلوم ہوا کہ قیدیوں کو الکٹرک شاٹ لگانا، قیدیوں پر کتے چھوڑنا، قیدیوں کو سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈال دنیا، حد سے زیادہ مار پیٹ کرنا، مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا، یا ان کی جائے رہائش میں تیز روشنی یا تیز آواز کا انتظام کرنا، شرعا درست نہیں ہے۔

چوری، قتل وغارت گری، زنا کاری، شراب نوشی، ظلم وزیادتی اور اس طرح کے دیگر جرائم یقیناً اسلام کی نظر میں بھی انتہائی شنیع اور قابل مذمت ہیں، ان کے مرتکبین سخت سے سخت سزا کے مستحق ہیں؛ لیکن شریعت نے اس کے بھی حدود متعین کیے ہیں اور ان میں اہم چیز انسانیت کا احترام ہے، ہر وہ سزا جس سے آدمیت کی توہین ہوتی ہو جائز نہیں ہے۔ اسیرانِ بدر میں ایک شخص سہیل بن عمرو تھا جو نہایت فصیح اللسان تھا اور عام مجمعوں میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا، حضرت عمرؓ نے کہا: یارسول اللہ! اس کے دو نیچے کے دانت اکھڑوا دیجیے کہ پھر اچھا نہ بول سکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اگر اس کے عضو بگاڑوں تو گو نبی ہوں؛ لیکن خدا اس کی جزا میں میرے اعضاء بھی بگاڑ دے گا۔ (تاریخ طبری صفحہ ۱۳۴۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں توہین آمیز کلمات کہنا یقیناً بڑا جرم ہے؛ لیکن اس کے باوجود اس کے عوض میں دانت اکھاڑنے کی رائے قبول نہیں کی گئی؛ اس لیے کہ یہ مثلہ کے دائرے میں آتا ہے، اسی طرح دانت اکھاڑنے سے ایک عضو سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتا جو انسانی ضرورت ہے، اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ قیدیوں کو اس طرح بے تحاشہ نہیں مارا جائے گا اور

نہ کوئی ایسی سزا دی جائے گی جس کے سبب ان کا کوئی عضو شل اور ضائع ہوجائے یا ان کے کسی عضو کی منفعت ختم ہوجائے؛ کیوں کہ یہ غیر انسانی فعل اور رحم وکرم کے خلاف ہے۔

اسلام میں حقوقِ انسانی اور بنیادی آزادی کے تحفظ کا مکمل لحاظ رکھا گیا ہے، غیر انسانی یا ذلت آمیز سلوک کی قطعاً گنجائش نہیں، آج کل دنیا کے مختلف ممالک میں قیدیوں کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا جاتا ہے، وہ نامناسب؛ بلکہ ناجائز ہے، جیسے قیدیوں کو ٹارچر کرنا، تفتیش وتحقیق کے نام پر الٹا لٹکا دینا، ایسی جگہ قید کرنا، جہاں بیٹھنے، لیٹنے اور آرام کرنے کی گنجائش نہ ہو، بے لباس کرنا وغیرہ، ابوغریب جیل میں جو سزائیں دی جاتی ہیں، کون سا دل ہے جو ان سزاؤں کی کیفیت سن کر تڑ پتا نہ ہو اور ان سزاؤں کی تصویر دیکھ کر رونگٹے کھڑے نہ ہوتے ہوں، دیگر شعبہ ہائے حیات کی طرح اس شعبے میں بھی اسلام نے عدل واحسان پر مبنی تعلیمات اور اصول پیش کیا ہے، اس سلسلے میں جنگِ بدر کے قیدیوں کے احوال پیش کیے جاسکتے ہیں، مشہور سیرت نگار علامہ شبلی نعمانیؒ اسیرانِ بدر کے ساتھ صحابۂ کرامؓ کے سلوک کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''صحابہؓ نے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ ان کو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے تھے، ان قیدیوں میں ابوعزیز بھی تھے جو حضرت مصعب بن عمیرؓ کے بھائی تھے، ان کا بیان ہے کہ مجھ کو جن انصاریوں نے اپنے گھر میں قید کر رکھا تھا، جب صبح یا شام کا کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اٹھا لیتے، مجھ کو شرم آتی اور میں روٹی ان کے ہاتھ میں دیتا؛ لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور مجھ ہی کو واپس دیتے اور یہ اس بنا پر تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کی تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے'' (سیرۃ النبی: ۱/۳۳۰)

ایسے لوگ جو جنت میں جائیں گے، ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ایک وصف یہ بھی بیان کیا کہ وہ لوگ قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے ارشاد باری ہے **وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا** (سورۃ الدھر، آیت ۸) ''اور کھلاتے ہیں کھانا اس کی محبت پر محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو'' قیدی سے مراد ظاہر ہے کہ وہ قیدی ہے جس کو اصولِ شرعیہ کے مطابق قید میں رکھا گیا ہو خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان مجرم؛ چوں کہ مجرم قیدیوں کو کھانا کھلانا حکومت کی ذمہ داری ہے، اگر کوئی شخص قیدیوں کو کھلاتا ہے تو گویا اسلامی بیت المال کی اعانت کرتا ہے بالخصوص ابتدائے اسلام میں جب کہ بیت المال کا کوئی منظم نظام نہیں تھا؛ اس لیے صحابۂ کرامؓ میں قیدیوں کو تقسیم کر کے ان کے کھانے پینے اور ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کی جاتی تھی۔

تاہم قرآن واحادیث سے قیدیوں کو زنجیروں سے جکڑنے، ہتھکڑیاں لگانے اور پاؤں میں بیڑیاں لگانے کی اجازت معلوم ہوتی ہے کہ مجرم کی شوکت ختم ہوجائے اور اس کے شر سے لوگ محفوظ رہیں، ارشاد باری ہے، **فَاِذَالَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْ افَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰى اِذَا اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوْ الْوَثَاقَ** (سورہ محمد، آیت۴)

''سو جب تمہارے مقابلہ کافروں سے ہوجائے تو ان کی گردنیں مارچلو؛ یہاں تک کہ جب ان کی خوب خونریزی کرچکو تو خوب مضبوط باندھ لو''

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا ایک دستہ قبیلۂ نجد کی طرف روانہ فرمایا، ان لوگوں نے یمامہ کے رئیس ثُمامہ بن اُثال کو گرفتار کرلیا، ان کو مدینہ لے کرآئے اور مسجدِ نبوی کے ایک ستون سے اچھی طرح باندھ دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی؛ بلکہ جب ان کے پاس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوتا تو سوال کرتے **مَاذَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَة؟** ''تمہارا میرے بارے میں کیا خیال ہے''؟__ وہ جواب میں کہتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں میرا اچھا اور بہتر خیال ہے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قتل کریں تو ایک واجب القتل کو قتل کریں گے اور اگر آپ چھوڑ دیں تو ایک شکر گذار شخص کو چھوڑیں گے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مال ودولت مطلوب ہے تو فرمائیے مال حاضر کردوں گا، ایمان قبول نہ کرنے کی بنیاد پر مصلحتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تین دن تک اسی طرح ستون میں بندھا ہوا رکھا اور یہی سوال وجواب ہوتا رہا، تیسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چھوڑ دینے کی ہدایت دی، وہ قید سے آزاد ہوئے، دل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ایمان کی الفت گھر کرچکی تھی، غسل کے بعد ایمان قبول کرلیا۔ (سنن ابی داؤد حدیث نمبر ۲۳۳۱)

اس زمانے میں باضابطہ کوئی قیدخانہ نہیں تھا، قیدیوں کو اسی طرح باندھ کر بے بس کیا کرتے تھے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیدیوں کو باندھنا، ہتھکڑیاں پہنانا اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالنا جائز ہے **في الحديث دلالةٌ على جوازِ الاستيثاق من الأسير الكافر بالرِّباطّ و الغِل و القيدّ وَمَا يَدْخُلْ فِيْ مَعْنَاهَا اِنْ خِيْفَ انْفِلَاتُهٗ وَلَمْ يُؤْمَنْ شَرُّهٗ اِنْ تُرِكَ مُطْلَقًا** (عون المعبود: ۷/۳۳۷) اگر قیدیوں کے بھاگنے یا ان کے بے بس نہ ہونے کا اندیشہ ہو تو ان کو تصرفات سے روکنے کے لیے قید کرنے کے ساتھ آنکھوں پر پٹی باندھی جاسکتی ہے یا تنہا کسی مکان میں قید کیا جاسکتا ہے علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں **فَاِنَّ الْحَبْسَ الشَّرْعِيَّ لَيْسَ هُوْ السِّجْنُ فِيْ مَكَانٍ ضَيِّقٍ وَإِنَّمَا هُوْ تَعْوِيْقُ الشَّخْصِ وَمَنْعُهٗ مِنَ التَّصَرُّفِ بِنَفْسِهٖ** (فتاوی لابن تیمیہ: ۳۵/۳۹۸)

یعنی قید کا اصل مقصد قیدیوں کو اپنے تصرفات اور شرارت سے روکنا ہے اور یہ چاہے جس طرح بھی حاصل ہو جائے، اس کے ساتھ معاملہ ویسا کیا جا سکتا ہے اور اس کے لیے تمام قیدیوں کو ان کے ذاتی حالات کے تناظر میں دیکھا جائے گا، ہر قیدی کا مزاج، قوت وطاقت اور منصوبے الگ الگ ہوتے ہیں، اگر کسی قیدی کے بارے میں اطمینان ہو کہ یہ نہیں بھاگے گا تو اسے ہتھکڑی یا بیڑی لگانے کی ضرورت نہیں اور اگر کوئی قیدی طاقتور ہو اور اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ہو، فرار ہونے کا احتمال ہو تو اس کی آنکھوں پر پٹی بھی باندھی جا سکتی ہے، وغیرہ وغیرہ؛ غرضیکہ اصل مقصد قیدیوں کو زیر کرنا اور ان کی شوکت کو ختم کرنا ہے، اس کے لیے جیل میں ڈالنا ضروری نہیں، یہ مقصد جس طرح بھی حاصل ہو وہ قید شرعی میں داخل ہے، هِيَ كَسْرُ شَوْكَةِ الْعَدُوِّ وَدَفْعُ شَرِّهٖ وَإِبْعَادُهٗ عَنْ سَاحَةِ الْقِتَالِ لِمَنْعِ فَاعِلِيَّتِهٖ وَأَذَاهُ وَلِيُمْكِنِ افْتِكَاكُ اَسْرَىٰ الْمُسْلِمِيْنَ بِهٖ۔ (الموسوعة الفقهية طبع كويت: ۱۹۶/۴)

سرکش قیدیوں کو معمولی جسمانی اذیت بھی دی جا سکتی ہے، اس کے جواز پر عہد نبوی ﷺ کے اس واقعے سے روشنی پڑتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے غزوۂ بدر کے موقع پر قریش کے حالات معلوم کرنے کے لیے بعض صحابہؓ کو مامور کیا، ان حضرات نے ابوسفیان کے بارے میں معلومات اکٹھا کرنے کی غرض سے ایک غلام کو گرفتار کر لیا اور اس کی پٹائی بھی کرتے رہے، آپ ﷺ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو غلام کی پٹائی پر کسی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا؛ بلکہ فرمایا کہ غلام صحیح کہتا ہے، اس کو ابوسفیان کا علم نہیں۔ (ابوداؤد حدیث نمبر ۲۳۳۲) لیکن یاد رہے کہ کوئی بات اقرار کرانے یا کسی جانکاری کے حصول کے لیے صرف معمولی ضرب ہی لگائی جا سکتی ہے، غیر انسانی مار، جیسے ضربِ شدید، ٹارچر کرنا، کرنٹ لگانا وغیرہ کسی بھی صورت میں جائز نہیں، ایسے قیدیوں کو زیادہ سے زیادہ طویل عرصے تک کے لیے قید خانہ میں ڈالا جا سکتا ہے یا مصلحت دیکھی جائے اور شر وفساد زیادہ ہو تو قتل کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ باغیوں کے قتل کی اجازت ہے اَلْمَقْصُوْدُ مِنْ قِتَالِ الْبُغَاةِ دَفْعُ شَرِّهِمْ فَإِذَا وُجِدَ دَلِيْلُ الشَّرِّ وَهُوْ اجْتِمَاعُهُمْ وَتَعَسْكُرُهُمْ يَجِبُ دَفْعُهُمْ بِالْقِتَالِ. (تبیین الحقائق: ۲۹۴/۲ مکتبہ امدادیہ ملتان)

ابن قدامہ حنبلی ایک جگہ قیدیوں سے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وہ قیدی جو خود سپردگی سے گریز کرے اور قید کرنے والوں کے احکامات کی بجا آوری سے انکار کرے یا مقابلہ آرائی کے لیے آمادہ ہو جائے تو اسے ساتھ چلنے پر مجبور کیا جائے گا خواہ اس کے لیے

طاقت کا استعمال کرنا پڑے اور اگر اس طرح سختی کارگر ثابت نہ ہو تو اسے سزائے موت دی جاسکتی ہے؛ کیوں کہ اس کا زندہ باقی رہنا اہلِ کفر کے لیے باعثِ تقویت اور مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ (المغنی لابن قدامہ:۸/۴۷۷)

اس جزیئے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی قیدی جب کنٹرول سے باہر ہوجائے تو اس کو زیر اور ناتواں کرنے کے لیے مصلحتاً کوئی ایسا کام کیا جاسکتا ہے، جس سے قیدی کی قوت وشوکت ٹوٹ جائے بشرطے کہ وہ کام غیر انسانی نہ ہو، ان ساری باتوں اور بحثوں پر غور کیا جائے تو قیدیوں سے متعلق دو باتیں واضح ہوتی ہیں (۱) قید کرنے کا مقصد قیدیوں کو زیر کرنا اور ان کی طاقت کو کچلنا ہے، یہ مقصد جس طرح حاصل ہو اس کے ساتھ ویسا معاملہ کیا جاسکتا ہے (۲) مجرموں کا جرم خواہ کتنا بھی سنگین ہو وہ انسان ہی رہتا ہے؛ لہٰذا سزا دیتے ہوئے ان کی انسانیت کا خیال رکھا جائے اور کوئی غیر انسانی سزا نہ دی جائے۔

دراصل اسلام انسانی حقوق اور بنیادی آزادی کے تحفظ کا پابند کرتا ہے اور کسی ایسے عمل کی اجازت نہیں دیتا جو حقوق انسانی اور بنیادی آزادی کو متأثر کرتا ہو، جیسے انسان کے زندہ رہنے کے لیے مناسب غذا، صاف پانی کی ضرورت ہے، قیدیوں کو اس سے محروم نہیں رکھا جائے گا، اسی طرح علاج ومعالجہ، حفظانِ صحت کے لیے ورزش وتفریح، بیوی سے جنسی تعلق وغیرہ ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کی انھیں مکمل اجازت ہوگی کہ یہ چیزیں انسانی حقوق میں داخل ہیں مذہبی امور میں بھی ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا، جس مذہب کو وہ مانتا ہے اس کی یا اس مذہب کے پیشواؤں اور کتابوں کی توہین نہیں کی جائے گی اور نہ دوسرے مذہب کے قبول کرنے پر انھیں مجبور کیا جائے گا، مذہبی کتابوں کے مطالعہ، مذہبی تعلیمات کے مطابق غذا فراہم کرنا، دوسرے قیدیوں کے درمیان دعوتِ دین یہ سب مذہبی امور ہیں جو انسان کے بنیادی حقوق اور بنیادی آزادی میں شامل ہیں، کسی جرم کے سبب ان کے یہ حقوق ختم نہیں ہوں گے، یہی وجہ ہے کہ عام حالات میں مشرک سے اور ذمی ومستامن سے ان کے عقائد ومذہب سے تعرض کرنے سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے؛ جب کہ شرک بہت بڑا جرم ہے، اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان کے انسانی اور بنیادی حقوق سے کوئی تعرض نہیں فرمایا۔

بنیادی حقوق میں اخبارات پڑھنا، ریڈیو سننا، فون پر احباب واقارب سے گفتگو کرنا، دوسرے قیدیوں سے ملاقات، تعلیم اور ہنر سیکھنا بھی داخل ہے، ان حقوق سے انھیں محروم نہیں کیا جائے گا؛

البتہ فون پر بات چیت میں اگر اندیشہ ہو کہ اس کے ذریعے وہ سازش کرسکتا ہے تو اسے روک دیا جائے گا، ورنہ عام حالات میں اس کی اجازت ہوگی۔

قیدیوں کو قید خانہ سے فرار ہونے کے خوف سے نکلنے کی اجازت تو نہ ہوگی؛ البتہ فون پر بات چیت یا رشتہ داروں سے ملاقات سے نہیں روکا جائے گا، اسی طرح حکومت کو چاہیے کہ اخلاقی امور کی طرف بہ طور خاص توجہ دے، مثلاً مردوں اور عورتوں کو الگ الگ قید خانے میں رکھیں؛ تاکہ دونوں کے باہم اختلاط کے سبب مسائل پیدا نہ ہوں، اسی طرح بالغ اور نابالغ بچوں کے قید خانے بھی الگ کیے جائیں؛ تاکہ جنسی استحصال وہراسانی کی شکایت کا موقع نہ ہو، یہ تمام امور یعنی مذہبی امور، اخلاقی امور، عام سماجی حقوق جسمانی ضروریات وغیرہ انسانی حقوق میں شامل ہیں، جن کی فراہمی کی شریعت نے نہ صرف اجازت دی ہے؛ بلکہ مختلف نوعیّتوں سے ان کی تاکید کی گئی ہے؛ چوں کہ انسان کو آزادی جیسی عظیم نعمت سے محروم رکھنا ہی ایک سخت سزا ہے، قید فی نفسہ بہت سے حقوق سے بے انتہا محرومی کا نام ہے؛ اس لیے شریعت نے مخصوص حالات ہی میں قید وبند کی سزا کی اجازت دی ہے جب یہ سزا دے دی گئی تو قیدیوں کے لیے یہی سزا کافی ہے، اب مزید حقوقِ انسانی یا بنیادی آزادی سے محروم رکھنے کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی یہ عمل شرعاً جائز ہے۔

❁ ❁ ❁